تحریک آزادی اوراُردوغزل

ڈاکٹر طارق محمود ہاشمی

Dr. Tariq Mehmood Hashmi

Associate Professor, Department of Urdu,

Govt. College University, Lahore.

Abstract:

"Ghazal is a unique genre of Urdu poetry which has aesthetical values but also express the social and political narrative. During colonial period of sub-continent Urdu poets felt a deep pain of slavery and wrote ghazals to create political sensibility."

شمس قیس رازی نے غزل کوموت کے چنگل میں پھنسے غزال کی دردناک چیخ سے تشبیہ دی ہے۔۱۸۵۷ء کے بعد باشندگان ہند بھی ایک لحاظ سے اسی نوع کے پنجے میں اسیر ہوگئے اس عہد میں اردوغزل گوشعرانے اسیران ہند کے درد کومحسوس کیااورنوآبادیاتی صیّادوں کے خلاف بھرپور آواز اٹھائی۔

اس سے قبل کہ تحریک آزادی کے پس منظر میں اردوغزل کا جائزہ لیا جائے غزل کے باطن میں سیاسی پہلوؤں کوسمیٹنے کے تاریخی پس منظر کامختصر ذکر کرنا ضروری ہے۔

کلاسیکی اردوغزل کے سرمائے کےسیاسی پس منظر پرڈاکٹرابوالخیرکشفی(۱)اورڈاکٹرغلام حسین ذوالفقار(۲) نے اپنے مقالوں میں قدرے تفصیل اورتوضیح کے ساتھ لکھا ہےلیکن اس سلسلے میں خواجہ منظورحسین کی کتاب''اردوغزل کاخارجی روپ بہروپ''(۳)نہایت قابل قدراوروقعت کی حامل ہے۔ اردوغزل پراپنی نوع کی یہ ایک منفردتنقیدی کاوش ہے۔جس میں اردوغزل کے پس منظر میں کارفرما سیاسی واقعات پرکھل کراظہارخیال کیا گیا ہےاوران تنقیدی''فرمانوں'' کے مدلّل جواب فراہم کیے گئے ہے جواس صنف کے اشاراتی نظام کوسمجھے بغیرجاری کیے گئے۔یہاں کلاسیکی غزل کے چندنمائندہ شعرا کےاشعاردرج کیے جارہے ہیں جوان کےسیاسی رجحانات کےعمدہ عکاس ہیں:

ملک ہرگز نہیں رہیں آباد
تخت میں جس کے شہریار گیا(ولی)

در و دیوار چمن آج ہے خوں سے لبریز
دست گلچیں سے مبادا کوئی دل ٹوٹا ہے(شاہ حاتم)

ہزار حیف کوئی باغ میں نہیں سنتا
چمن، چمن پڑی کرتی ہیں بلبلاں فریاد (سودا)

رنگ اڑ چلا چمن میں گلوں کا تو کیا نسیم
ہم کو تو بے روزگار نے بے بال و پر کیا (میر)

اے گل تو رخت باندھ، اٹھاؤں میں آشیاں
گلچیں تجھے، نہ دیکھ سکے باغباں مجھے (درد)

مصحفی روزگار یہ کیا ہے
کہ نہیں روزگار کا عالم (مصحفی)

روشن اس طرح ہے دل ویراں میں داغ ایک
اجڑے نگر میں جیسے جلے ہے چراغ ایک (جرأت)

انیسویں صدی میں جب مغلوں کے اقتدار کا چراغ جھلملانے لگا اور کمپنی بہادر کا آفتاب طلوع ہونے والا تھا تو اردو غزل میں سیاسی رجحان پہلے کی نسبت زیادہ نمایاں ہوا۔ خصوصاً سیاسی بساط کے الٹنے اور دلّی کی بزم آخر کے مستقبل قریب میں اجڑنے کا احساس شاعروں کے ہاں فزوں تر ہے۔ ان شعرا کی غزلوں میں لفظیات کو دیکھیں تو قفس، صیاد، امید اور بے بال و پری کے الفاظ غالب دکھائی دیتے ہیں:

نے گل نغمہ ہوں، نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز (غالب)

ہے موجزن اک قلزم خوں، کاش یہی ہو
آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے (غالب)

بس ہجوم ناامیدی خاک میں مل جائے گی
یہ جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے (غالب)

ہائے صیاد تو آیا مرے پر کاٹنے کو
میں تو خوش تھا چھری لایا سر کاٹنے کو (ذوق)

اے ظفر اب ہے تجھی تک انتظام سلطنت
بعد تیرے نے ولی عہدی نہ نام سلطنت (ظفر)

کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی
آشیاں اپنا ہوا برباد کیا (مومن)

ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی وہ واقعہ ہے، جس نے صرف عسکری سطح پر ایک نئی قوم کو اقتدار نہیں سونپا بلکہ ہندوستان کی تہذیب، ثقافت اور تمدن پر بھی گہرے اثرات ڈالے: بقول گوپی چند نارنگ:

''ہندوستان کا عمرانی ڈھانچہ جو پچھلی ایک صدی سے مائل بہ انحطاط تھا، ٹوٹ گیا اور سماجی نظام میں بنیادی تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔'' (۴)

اس واقعے کے بعد جو کچھ بچا غالبؔ کے لفظوں میں وہ ہندوستان کا دوسرا جنم تھا۔ اس واقعے پر جہاں شہر آشوبوں کی صورت میں منظومات تخلیق کی گئیں، وہاں غزل کے پیرائے میں بھی اس کرب ناک صورت حال پر شاعروں نے اپنا دکھ درد رقم کیا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ میں بعض شعرا عملی طور پر شریک بھی ہوئے اس سلسلے میں مولانا امداد صابری کی کتاب ''۱۸۵۷ء کے مجاہد شعرا'' (۵) قابل ذکر ہے۔

جنگ آزادی میں عملی طور پر شریک ہونے والے شعرا میں ایک اہم نام میر محمد اسمٰعیل منیر شکوہ آبادی کا ہے جنھیں اس پاداش میں کالے پانی کی سزا بھگتنی پڑی۔ اس سزا کے دوران انھوں نے جو کچھ لکھا وہ بقول ڈاکٹر توصیف تبسم:

''معروضی حبسیہ شاعری کا اوّلین نمونہ ہے۔'' (۶)

ذیل میں منیر کی حبسیہ شاعری کے نمونے کے طور پر ان کی غزل کے چند اشعار درج کیے جاتے ہیں:

پاؤں کو دیتی ہیں رنگ خون جاری بیڑیاں
جنگلوں میں کر رہی ہیں لالہ کاری بیڑیاں
بھاگے قیدی راہ میں ہم رہے ثابت قدم
وقت لغزش کر چکی ہیں پائیداری بیڑیاں
لالہ سنبل سے ، بنفشہ سے کھلا ہے ارغواں
پاؤں میں کرتی ہیں پیدا زخم کاری بیڑیاں
کالے پانی میں یہ کالی ناگنیں بھی بہہ گئیں
مار ماہی بن گئیں گویا ہماری بیڑیاں
قطع زنجیر ستم کی ہے یہ تاریخ اے منیرؔ
کٹ گئیں کیا لطف سے آپی ہماری بیڑیاں

۱۸۵۷ء کے تناظر میں اردو غزل کے سیاسی رجحانات کی عکاس وہ غزلیں بھی ہیں جو ''دہلی'' کی ردیف میں ایک طرح پر کہی گئیں اور انہیں ''فغان دہلی'' (۷) کے عنوان سے مرتب کیا گیا ہے۔لیکن اس دور میں داغ کی غزل کی اشاریت ابھی تک اردو تنقید سے اپنی تفہیم طلب کر رہی ہے۔خواجہ منظور حسین کے یہ سوالات ہمارے تنقیدی دانش پر استعجاب ہیں ۔ان کے بعض سوالات نہایت اہم چنے ہوئے اور ہنوز جواب طلب ہیں:

> ''داغ کے شعری مزاج اور تاریخی شعور کے باب میں ان کے بعض پرانے اور نئے پڑھنے والوں کے خیالات پر ایک نظر ڈالنے کے بعد ۔۔حیرت ہوتی ہے کہ اپنے تربیت یافتہ سیاسی اور معاشرتی ادراک کے باوصف ان کی نظر داغ کی غزل کے تاریخی اثرات اور مافیہ کیوں نہ پہنچی اور وہ یہ سمجھنے سے کیسے قاصر رہے کہ دلی کی تہذیب کا دل قصاب کا دل کیوں بنا، دل کے معاملوں نے کھلی معرکہ آرائی کی شکل کیوں اختیار کی ، سپردگی کے جذبے کو ڈاکہ زنی میں ، ہم آہنگی کو مغائرت میں کئی جاں فرسا عوامل نے منقلب کیا، داغ جلی کٹی سنانے کے ملک الشعرا کیسے بنے۔'' (۸)

درج ذیل اشعار داغ کی غزل کے سیاسی رجحانات کی اشارت کو سمجھنے میں اردو تنقید کی معاونت کر سکتے ہیں:

دور ہی دور سے اقرار ہوا کرتے ہیں
کچھ اشارے سر دیوار ہوا کرتے ہیں

داغ نے خط غلامی جو دیا ، فرمایا
ایسے ہی لوگ وفادار ہوا کرتے ہیں
پہلے ان کے سامنے ہم نے تو خنجر رکھ دیا
پھر کلیجہ رکھ دیا ، دل رکھ دیا، سر رکھ دیا

کون سا طائر گم گشتہ اسے یاد آیا
دیکھتا بھالتا ہر شاخ کو صیاد آیا

دل کے سو ٹکڑے ہوئے تن کو خبر تک نہ ہوئی
چشمِ بد دور ، یہ قاتل کی سبک دستی ہے

تحریک آزادی کے دوران اقبال ،ظفر علی خاں ،حسرت اور چکبست ایسے شعرا ہیں جن کی

غزل میں سیاسی رجحانات کی متنوع جہتیں ہیں۔اقبال نے اپنی غزل میں معاصر حالات کی سیاسی کش مکشوں کو براہ راست موضوع بنانے کے بجائے ماضی کو ایک عظیم آدرش کے طور پر پیش کیا اور برصغیر کے اہل اسلام وعظمت رفتہ کا احساس دلا کر نئی منزل کے تعین کا پیغام دیا:

رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک
ترا سفینہ کہ ہے بحرِ بے کراں کے لیے

نشان راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لیے

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

نومید نہ ہو ان سے اے رہبرِ فرزانہ
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

آئین جواں مردی، حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ظفر علی خاں نے بطور صحافی بھی تحریک آزادی میں بھرپور کردار ادا کیا اور بطور شاعر بھی ان کا کلام سیاسی عمل کا حصہ رہا اگرچہ ان کی غزلیں معیارِ شعری کے اعتبار سے ترفع کی حامل نہیں ،مگر یہ رنگ صحافت میں کلام موزوں کے دائرے میں ان کے جذبۂ قومی کا اظہار ہیں:

اگر تم کو حق سے ہے کچھ بھی لگاؤ
تو باطل کے آگے نہ گردن جھکاؤ
فلک پہ مہ و مہر پڑ جائیں ماند
زمیں پر اس انداز سے جگمگاؤ

تحریک آزادی کے ایام میں محمد علی جوہر کے ان اشعار نے ایک خاص ولولہ اور جذبہ آزادی کو مہمیز کیا:

دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد
قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

بقول ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار:

''محمد علی جوہر ۱۹۱۹ء کے آخر میں چھند واڑہ سے رہا ہوئے اور امرت سر پہنچے۔ یہ اشعار غالباً نظر بندی کے ایام میں انہی دلگداز سا نحات سے متاثر ہو کر کہے گئے ہیں۔''(۹)

حسرت موہانی کی غزل جہاں انگریز سامراج کے خلاف صدائے احتجاج ہے، وہاں سرسید کے سیاسی وسماجی طرزِ عمل کا ردِعمل بھی ہے:

رسم جفا کامیاب ، دیکھیے کب تک رہے
حب وطن مست خواب ، دیکھیے کب تک رہے
دولت ہندوستان ، قبضہ اغیار میں
بے عدد و بے حساب ، دیکھیے کب تک رہے

برطانوی دورِ اقتدار میں جلیانوالہ باغ کا سانحہ انگریز سامراج کی سفاکی کی ایک مثال ہے، جس میں ہندوستانیوں کا حق احتجاج بھی سلب کیا گیا۔اس واقعے کے بعد پنجاب میں مارشل لا لگا دیا گیا، چکبست کی یہ غزل اسی پس منظر میں تخلیق کی گئی ہے:

انہیں یہ فکر ہے ہر دم نئی طرز جفا کیا ہے
ہمیں یہ شوق ہے دیکھیں ستم کی انتہا کیا ہے
نیا بسمل ہوں میں واقف نہیں رسم شہادت سے
بتا دے تو ہی اے ظالم تڑپنے کی ادا کیا ہے
چمکتا ہے شہیدوں کا لہو پردے میں قدرت کے
شفق کا حسن کیا ہے شوخی رنگ حنا کیا ہے

یہاں فراق گورکھپوری کی ایک غزل بھی قابلِ ذکر ہے، جو دوسری جنگ عظیم کے پس منظر میں ہے:

وہ سر اٹھائے موج فضا آ رہی ہے آج
موج حیات موت سے ٹکرا رہی ہے آج
کانوں میں زلزلوں کی دھمک آ رہی ہے آج
ہر چیز کائنات کی تھرا رہی ہے آج
ہر ہر شکست ساز میں صد لحن سرمدی
یا زندگی کے گیت اجل گا رہی ہے آج

قیامِ پاکستان سے قبل تحریک آزادی کے تناظر میں اردو غزل کے سیاسی رجحانات کے باب میں رام پرشاد بسمل اور اشفاق اللہ ایسے حریت پسند کردار بھی توجہ طلب ہیں جو انگریز حکومت کے خلاف

سرگرم رہے اور انہیں کاکوری کیس میں پھانسی دے دی گئی۔ یہ دونوں شاعر بھی تھے پھانسی کے وقت اشفاق اللہ نے یہ شعر پڑھا ہے۔ جس میں شاعر نے حب وطن کو آخرت کے سفر زادِراہ قرار دیا ہے:

کچھ آرزو نہیں ہے، ہے آرزو تو یہ ہے
رکھ دے کوئی ذرا سی خاک وطن کفن میں

رام پرشاد بسمل کی ایک غزل تحریک آزادی کے دوران میں کئی حریت پسندوں کے جذبہ آزادی کے مہمیز کا کام دیتی رہیں:

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے
وقت آنے دے، بتا دیں گے تجھے اے آسماں
ہم ابھی سے کیا بتائیں، کیا ہمارے دِل میں ہے

یہ وہ اشعار ہیں جو تحریک حریت کے دوران میں کئی مواقع پر آزادی کا گیت بن گئے ان اشعار کی اہمیت معروف حریت پسند نوجوان بھگت سنگھ کی اسیری اور شہادت کے تناظر میں دو چند ہو جاتی ہے کہ بھگت سنگھ اور ان کے ساتھی اپنے کیس کے دوران میں یہ اشعار گا کر پڑھتے تھے اور بقول فہمیدہ ریاض:

''لاہور کی جیل میں بھگت سنگھ اور اس کے ساتھیوں کے اس نغمے نے برصغیر کے دور دراز کے گوشوں میں بھی آزادی کی لہر دوڑا دی تھی۔''(۱۰)

تحریک آزادی کے دوران اردو غزل کا کیا کردار رہا ہے؟ اس سوال کے جواب میں تفصیل میں بہت کچھ رقم کیا جا سکتا ہے۔ مذکورہ شعرا اور ان کے تخلیقی سرمائے کی یہ چند مثالیں ان رجحانات کی بھرپور عکاس ہیں، جو تحریک آزادی کے دوران سیاسی اور سماجی مسائل کا شعور اجاگر کرنے کے سلسلے میں اہم تھے اور شعرا نے اپنے اپنے طرزِ غزل اور اسلوبِ شعر کے پیرائے میں ان کا احاطہ کیا۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر، اردو شاعری کا سیاسی و تاریخی پس منظر، کراچی: ادبی پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء
۲۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، اردو شاعری کا سیاسی و سماجی پس منظر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء
۳۔ منظور حسین، خواجہ، اردو غزل کا خارجی روپ بہروپ، لاہور: مکتبہ کارواں، ۱۹۸۱ء
۴۔ گوپی چند نارنگ، مضمون، اردو شاعری: ۱۸۵۷ء کے بعد، مشمولہ: ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی، مرتبہ: ڈاکٹر ضیاء الحسن، ڈاکٹر ناصر عباس نیر، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۸ء، ص: ۱۱
۵۔ امداد صابری، مولانا، ۱۸۵۷ء کے غدار شعرا، دہلی: یونین پریس، ۱۹۴۰ء بھی نہایت اہم کتاب ہے۔
۶۔ توصیف تبسم، ڈاکٹر، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا مجاہد شاعر، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۶ء، ص:

۷۔ تفضّل حسین کوبک دہلوی، مرتب: فغان دہلی، دہلی: بدرالدجیٰ پریس، ۱۹۸۶ء

۸۔ منظور حسین، خواجہ، اردوغزل کا خارجی روپ بہروپ، ص: ۳۶۲

۹۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، اردو شاعری کا سیاسی و سماجی پس منظر، ص: ۴۵۰

۱۰۔ فہمیدہ ریاض، بھگت سنگھ اور جہدِ انقلاب، مصنفہ: کلدیپ نیر، کراچی: اوکسفرڈ پریس، ۲۔۲ بیک فلیپ
بھگت سنگھ کے بارے میں حسن عابدی کا یہ لافانی شعر بھی اردو غزل کی تاریخ میں امر ہے جو اس وقت لکھا گیا جب حسن عابدی کو قلعہ لاہور کی اس کوٹھڑی میں اسیر کیا گیا، جس میں بھگت سنگھ کو بھی قید کیا گیا۔

اک عجب بوئے نفس آتی ہے دیواروں سے
ہائے کیا لوگ تھے زنداں میں ہم سے پہلے

☆......☆......☆